راجہ فضل حسین ربانی

تعلیم اور عالم اسلام کا مستقبل

حضرات! آج پورا عالم اسلام اپنی تاریخ کے انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ اس فضا میں عالم اسلام کے مستقبل کا سوال ہر مسلمان کے لیے تشویش کا باعث ہے۔ اس مسئلہ کو تعلیم سے علیحدہ رکھ کر حل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عالم اسلام ایک نظریاتی وحدت کی حیثیت رکھتا ہے جس کی بنیاد اسلام کا نظریہ حیات ہے۔ ہر ایک نظریہ تعلیم کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے اور ایک تحریک کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور نظریاتی تحریک ایک ریاست ہی میں مثالی کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس لیے مجھے یہاں پورے عالم اسلام کو صرف ایک ہی ریاست کے طور پر سامنے رکھ کر اپنا مدعا بیان کرنا ہے۔ آپ کسی بھی ایسی قوم کو دیکھیے جو اپنا ایک نظریہ رکھتی ہو تو پہلی بات یہ ہوگی کہ وہ قوم اپنی سیاسی اور معاشی تنظیم، اپنے کاروباری آداب، اپنی ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کو اپنے نظریہ حیات کے سانچے میں ڈھالتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک نظریاتی قوم کا تمام نظام حیات اس کے نظریہ حیات کی منہ بولتی تصویر ہوگا۔ مثال کے طور پر امریکہ جس جمہوریت پر یقین رکھتا ہے اس کے تمام ادارے اس کے مطابق چل رہے ہیں۔ روس کمیونزم کا علمبردار ہے۔ اس کا نظام مملکت اس کے مطابق قائم ہے۔ چین جس نظریئے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی اجتماعی زندگی اس کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے اور نظریہ حیات تعلیم سے فروغ پاتا ہے۔ اس طرح ایک نظریاتی ریاست میں تعلیم کا نظام ایسا ہونا چاہیے کہ ریاست کے ہر شعبے میں اس نظام کا عملی مظاہرہ ہو تاکہ اگر طلبا اس نظرے کی عملی صورتوں کا مشاہدہ کرنا چاہیں تو اساتذہ ان کو اپنے ماحول اور اپنے معاشرہ میں اس کا عینی مشاہدہ کرا سکیں۔ ورنہ نظریاتی اور عملی زندگی کا تضاد خطرناک قسم کے ذہنی الجھاؤ کا باعث بنتا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف ایک برطانوی ماہر تعلیم سر والٹر نے اپنی کتاب "The Crisis in the University" جو برطانیہ کے تعلیمی حالات کے مطالعہ تک مشتمل ہے، لکھا ہے کہ:

«ہم جس الجھن میں گرفتار ہیں، وہ یہ ہے کہ ہماری یونیورسٹی میں زیادہ تر طلباء تعلیم سے فارغ ہو جاتے ہیں مگر اس کا کوئی موقع نہیں آتا ہے کہ وہ حقیقی اہمیت کے عظیم مسائل پر اپنا ذہن استعمال کریں۔ تعلیمی غیر جانب داری کے زیر اثر وہ موجودہ سیاسی اور سماجی ماحول کے آگے سپر ڈال دینے اور سوچ بچار کی زحمت نہ اٹھانے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ لادینیت کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں اور یہ اس لیے کہ تعلیم کے مختلف اجزا میں منقسم ہونے کی موجودہ صورت حال کی وجہ سے انہیں ذمہ دارانہ حیثیت میں مقصد زندگی کو متعین کرنے کا چیلنج ہی نہیں ملتا۔ ساری تعلیم کے بعد بھی وہ بنیادی طور پر غیر تعلیم یافتہ ہی رہتے ہیں»۔

تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جن صداقتوں کا درس نئی نسل کو دینا مقصود ہو، اس کی عملی تصویر اس کے سامنے پیش کی جائے اور تعلیم کو اپنے نظریہ حیات سے ہم آہنگ کیا جائے۔ ورنہ اس کا مستقبل مخدوش ہو جاتا ہے اور بعض اوقات وہ بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہے۔

راک فیلر کی رپورٹ بھی امریکی تعلیم کی اس خامی کو ان الفاظ میں دہراتی ہے۔ «طلبا اپنی زندگی کا کوئی مقصد و مفہوم چاہتے ہیں۔ اگر ان کا زمانہ، ان کی ثقافت اور ان کے راہنما انہیں کوئی عظیم مفہوم مقاصد اور تصورات نہ دیں تو پھر وہ اپنے لیے حقیر اور فرومایہ مقاصد متعین کر لیتے ہیں''۔

ایک مشہور ماہر تعلیم ہیرلڈ ایچ ٹیٹس اپنے ملک کے تعلیمی پس منظر کے مکمل جائزے کے بعد لکھتے ہیں جو میرے موقف کی تائید کرتا ہے:

«تعلیم نے اپنے آپ کو ماضی کے روحانی ورثے سے الگ کر لیا ہے۔ مگر اس کا کوئی مناسب متبادل دینے میں ناکام رہی ہے۔ نتیجتاً پڑھے لکھے افراد بھی ایقان و ایمان سے، زندگی کے اقدار کے صحیح احساس سے، اور دنیا کے بارے میں کسی ناقابل شکست، ہمہ گیر نقطہ نظر سے عاری ہیں»۔

ماہرین کے ان خیالات سے پتہ چلتا ہے کہ کسی نظریاتی ریاست کا یا نظریاتی قوم کا پائیدار مستقبل اس کے نظام تعلیم کا مرہون منت

ہوتا ہے۔

حضرات! اسلامی نظام تعلیم کے روشن مستقبل کا انحصار اس امر پر ہے کہ ہماری سرکاری دستاویزات میں ہمارا احساسی نظریہ غیر مبہم الفاظ میں اسلام قرار دیا جائے اور قرآن اور سنت کی روشنی میں اسلامی اخلاق و اقدار کی ترویج کو نصب العین قرار دیا جائے۔ گویا نظام تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ اس سے انفرادی طور پر افراد کا تزکیہ نفس ہو اور اس کا مقصد حیات یہ ہو:

ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین (انعام)

اور اجتماعی طور پر معاشرہ کو عبودیت الٰہی اور عدل و احسان کی بنیادوں پر استوار کرے کیونکہ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہے:

انی جاعل فی الارض خلیفۃ (بقرہ)

خلافت کے تصور میں عبودیت الٰہی کے ساتھ ساتھ تسخیر کائنات کا مفہوم بھی شامل ہے:

وسخر لکم ما فی السمٰوات و ما فی الارض (قرآن)

لٰہذا اسے بھی مقاصد تعلیم میں شامل کیا جائے اور تمام علوم بالخصوص سائنسی علوم کے اندر ایمان باللہ کو مرکزی تصور کے طور پر سمویا جائے۔ اس اقدام میں اگرچہ ہماری غلامانہ ذہنیت مانع ہوتی ہے اور ہم اپنے ذہنی امام مغرب کی طرف دیکھتے ہیں۔ حالانکہ اب مغرب کو بھی اس ضرورت کا احساس ہوا جاتا ہے۔ چنانچہ مغرب کے ایک نامور فلسفی فیلڈ مارشل مسٹس جس نے «ہولزم» کے نام سے فلسفہ کی ایک عمدہ کتاب لکھی ہے، کہتا ہے:

"یہ کہنا قرین انصاف ہوگا کہ سائنس ہمارے زمانہ کے لوگوں کے لیے شاید خدا کی ہستی کا سب سے بڑا انکشاف ہے۔ یقیناً مستقبل میں نوع انسانی کے لیے کرنے کے بڑے بڑے کاموں میں سے ایک یہ ہوگا کہ وہ سائنس کو اخلاقی قدروں کے ساتھ وابستہ کرے اور اس طرح اس مہیب خطرے کا سدباب کرے۔ جو ہماری تہذیب کے مستقبل کو درپیش ہے۔ لیکن مغرب کا ایک اور نامور مفکر سورکن، جو امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں سوشیالوجی کا پروفیسر رہا ہے۔ اپنی کتاب «ہمارے دور کا بحران» میں لکھتا ہے کہ مغربی تہذیب کے زوال کا سبب یہ ہے کہ

اس تہذیب نے غلطی سے اپنا بنیادی عقیدہ یہ قائم کیا کہ صداقت صرف وہی ہو سکتی ہے جو ہم اپنے حواس سے معلوم کریں اور اس طرح سے خدا اور روح کے تصورات کو اپنے علوم سے خارج کر دیا۔ اور یہ تہذیب اس وقت تک زوال سے نہیں بچ سکتی جب تک کسی روحانی عقیدے کو اپنی بنیاد نہ بنائے"۔

ہماری تعلیمی پالیسیوں میں سائنسی، تکنیکی، پیشہ ورانہ تعلیم کی طرف رجوع پر زور دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے ساتھ تسخیر کائنات کی جامع کی اسلامی اصطلاح کو اختیار کیا جائے جس میں عصری زندگی کے تمام مادی تقاضے بھی شامل ہیں اور معاش کا مسئلہ بھی خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم آج تک اس سے آگے نہیں سوچ سکے کہ ہماری تعلیم کا مقصد اولین طلب معاش ہے اور مفکر اسلام علامہ اقبال نے اسی لیے تو کہا تھا:

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکر معاش

اور ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارا یہ مسئلہ بھی حل نہ ہو سکا۔ مولانا روم نے بھی کیا خوب کہا تھا:

علم را بر دل زنی یارے بود   علم را برتن زنی مارے بود

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ تعلیم معاش کا ایک اہم ذریعہ ہے مگر اس کو معاد سے الگ کر کے دیکھنا میرے نقطہ نظر سے غلط ہے۔ یہ مغرب کے لادینی ذہن کی پیداوار ہے۔

«مقام حیرت ہے کہ مغرب کے دو بڑے فلسفی جوڈ اور ڈیوی بھی لڈو اور اخروٹ کی کہانی کو صحیح سمجھتے ہیں اور تعلیم کے مقصد کو روٹی اور ڈبل روٹی تک محدود کرتے ہیں»۔

مگر عالم اسلام کے ماہرین تعلیم نے اعلیٰ مقاصد کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ان میں خدا شناسی، حصول رضا الٰہی، تکمیل انسانیت، نیکی، عدل و احسان، ایجاد اور تسخیر کائنات کے پاکیزہ عنوانات شامل ہیں۔ اور حقیقت میں یہ صحیح مقاصد ہیں۔

حضرات! ہمارے بعض ممالک میں دو نظام تعلیم پائے جاتے ہیں جو متوازی خطوط پر چلتے ہیں۔ یعنی دینی مدارس اور سکول، کالج،

یونیورسٹی ، جن سے دین و دنیا کی تفریق کا باطل نظریہ ثابت ہوتا ہے - حالانکہ ہمیں اس تفریق کو ختم کرنا ہے - ہمارا نظام تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ اس سے نئی نسل اسلام کے نصب العین کے مطابق دنیا کی رہنمائی کے قابل ہو سکے اور مسلم نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کی جائے کہ وہ صلاحیت کے لحاظ سے دنیا کی امامت اور پیشوائی کے منصب پر فائز ہو سکیں - اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام علوم میں ہمارا نقطہ نظر اسلامی نقطہ نظر ہو اور اس کی روشنی میں عملی زندگی میں اپنے لیے روشن اور پائیدار مستقبل کے لیے اسلامی انقلاب برپا کر سکے -

حضرات ! اس موقع پر مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ اگر ہم اسلامی دنیا میں یکجہتی اور تہذیبی ہم آہنگی قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ذریعہ نظام تعلیم کو بنایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے لفظ تعلیم کو وسیع تر مفہوم میں دیکھنا ہوگا - جس میں روائتی ذرائع کے علاوہ ابلاغ عامہ کے تمام وسائل شامل ہیں اور میرے اس خیال کی تائید مشہور مغربی مفکر جان سٹورٹ مل کے اس نقطہ نظر سے ہوتی ہے جو وہ تعلیم کے مفہوم کو وسعت دینے کے سلسلہ میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں : «تعلیم صرف ان باتوں کا ہی احاطہ نہیں کرتی جو اپنی فطرت کے کمال سے قریب تر ہونے کی بنا پر واضح مقصد کی خاطر اپنے لیے کرتے ہیں یا دوسرے ہمارے لیے کرتے ہیں - اپنے وسیع تر مفہوم میں اس کی حدود بہت زیادہ ہیں - انسانی کردار اور صلاحیت پر پڑنے والے ان چیزوں کے بالواسطہ اثرات بھی اس کے دائرہ کار میں شامل ہیں جن کے فوری مقاصد بالکل ہی دوسرے ہوتے ہیں» -

ابلاغ عامہ کے ان تمام ذرائع کو اگر ہم اپنے مثبت مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال نہ کریں گے تو ان کے منفی اثرات لازماً رونما ہوں گے اور ان کے مقابلے میں روایتی تعلیم اگر صحیح خطوط پر دی جا رہی ہو پھر بھی اپنے مقاصد کے حصول میں نا کام رہے گی - اس امر میں ذرا بھی شک نہیں کہ عالم اسلام کی یکجہتی کا واحد ذریعہ اسلامی تعلیم ہے جسے ہم خاطر خواہ نتائج کا پورا یقین رکھتے ہوئے کام میں لا سکتے ہیں - ہمارے اندر تشویشناک اور روز افزوں انتشار کا سبب یہی ہے کہ ہم نے اب تک اس ذریعہ کو اختیار نہیں کیا - اب بھی اگر ہم اس نظریہ کو بلا توقف اور پوری قوت کے ساتھ استعمال نہیں کریں گے تو عالم اسلام کا مستقبل خطرات سے محفوظ نہیں ہو سکے گا - چونکہ آج تک اسلام کا نام

ضرور لیا گیا ہے مگر اسلام کو اتحاد و یگانگت کی پرورش کرنے والی اور مثالی کردار کی تشکیل کرنے والی عملی قوت بنانے کی مخلصانہ کوشش کم کی گئی ہے۔ اور اسلام کے ساتھ ہمارے اس افسوس ناک طرز عمل کا نتیجہ آخر کار اس خوفناک انتشار کی صورت میں ظاہر ہوتا رہا ہے جس کا نظارہ ہم اکثر و بیشتر کر چکے ہیں۔ ہمارے اس عمل، جس سے اسلام کو پوری طرح عملی زندگی میں نہیں لایا گیا اور اس سے ایک نظریاتی خلا پیدا ہوتا رہا جس کو پر کرنے کے لیے ہمارے اندر باطل غیر ملکی نظریات درآمد کیے جاتے رہے جس سے علاقائی، نسلی عصبیتوں کو اور مختلف فرقہ وارانہ قباحتوں کو ابھرنے کا موقع ملا۔ جو عالم اسلام کے مزاج، ذوق، تاریخ اور روایات سے کوئی تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ اس طرح ایک نظریاتی وحدت رکھنے والی قوم سے قوت حیات سلب کر لی گئی اور نظریاتی قتل کے جرم کا ارتکاب ہوتا رہا۔ تاہم اب بھی اگر احساس زیاں پیدا ہو جائے اور اس کی تلافی کے لیے ہر ممکن اقدامات کی خاطر یکجہتی سے کوشاں رہیں تو عالم اسلام کے پائیدار اور روشن مستقبل کی ضمانت مل سکتی ہے۔